ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر انیلا سلیم ❁

ڈاکٹر اسلم انصاری کے علمی و ادبی خطوط اور تنقیدی نثر کا تقابلی مطالعہ

A comparative study of academic and literary letters and critical prose of Dr. Aslam Ansari

By *Dr. Aneela Saleem, Asst. Prof., Department of Urdu Language & Literature, Punjab University, Lahore.*

Abstracts

Academic and literary letters are very important in the thematic division of the letter. These letters are informational in nature in, comments and analyses are presented.

In Urdu which literary points are explained. Academic and literary theories literature, literary theories, interpretations, contemporary literary situations, linguistic debates etc. are described in scholarly and literary texts. Even if the letters of literary personalities are of a personal nature, they are useful, but if we talk about their academic and literary schools, it helps to know their ideological commitment, ideological explanation, literary perspective, etc. Such letters are also helpful in understanding the ideas presented in the poetry and works of the poet or prose writer. Apart from his creations, the creator expresses his ideas through conversations and letters with friends. Dr. Aslam Ansari's critical views are present in most of his critical works, but at the same time, his scholarly and literary writings also cover these discussions.

❁ اسسٹنٹ پروفیسر، ادارۂ زبان و ادبیاتِ اردو، پنجاب یونی وسٹی، لاہور

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

Through the comparative study of his letters and critical prose, where the dispersed state of these ideas has been presented in a unified form, the paths for new ideas and thoughts have also been paved.

Keywords: Aslam Ansari, Linguistics, Urdu, Media, Newspaper, Oriental, Iqbal, Literary Personalities, Literary Letters, Critical Prose, Mukaalmaat, Iqbal Ehd Aafreen, Bedil, Ghalib, Meer.

ڈاکٹر اسلم انصاری جہاں بے شمار ادبی تصانیف کے مصنف ہیں وہیں ان کے نجی و ذاتی خطوط کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی خطوط کی تعداد بھی کثیر ہے۔ یہ مکتوبات مختلف علمی و ادبی شخصیات، ادبی جرائد کے مدیران اور طلبہ کو لکھے گئے ہیں، ان مکاتیب پر اب تک کسی قسم کی تحقیق نہیں کی گئی نہ ہی ان کی جمع آوری کی کوشش کی گئی ہے۔ میر تقی میر، غالب، بیدل اور اقبال کی شاعری پر ان کے مقالے، کتب اور انٹرویوز بہت اہمیت کے حامل ہیں کہ جن میں انھوں نے ان شعرا کے کلام کی تشریحات و تعبیرات کے ساتھ ساتھ لسانی اور تنقیدی پس منظر اور دیگر متعلقات کو بھی پیش کیا ہے۔ یہ نظریات مکاتیب کی صورت میں مزید نکھری ہوئی اور تفصیلی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس پہلو سے پہلے کبھی ڈاکٹر اسلم انصاری کی نثر اور خطوط کا کوئی تجزیہ و تحقیق سامنے نہیں آئی۔ زیرِ مطالعہ سطور اسی کاوش پر مبنی ہیں۔

ان خطوط کے مباحث کثیر الجہات ہیں۔ بہت اہم علمی و ادبی شخصیات کا تذکرہ نئے پہلوؤں اور حوالوں کے ساتھ ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے سید وقار عظیم کے بارے میں ''الحمرا'' میں ایک مضمون لکھا۔ اس مضمون کی ستائش کے لیے جب مدیر ''الحمرا'' شاہد علی خان کے نام خط لکھا تو اس میں سید وقار عظیم کے بارے میں یوں خیالات کا اظہار کیا اور اپنی یادداشتوں کو کھنگالتے ہوئے چند شذرات پیش کیے:

> ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کا استادِ محترم سید وقار عظیم پر مضمون بہت حد تک جامع اور اثر انگیز ہے۔ چوں کہ میں بھی سید صاحب موصوف سے تلمذ کا شرف رکھتا ہوں اس لیے اس مضمون کے مطالعے سے میری بھی بہت سی یادیں تازہ ہوئیں۔ گو مجھے ان سے زیادہ قربت میسر نہ آ سکی تاہم میرا تاثر یہ رہا کہ میں بھی ان کے پسندیدہ شاگردوں میں

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

> شامل ہوں۔ اورینٹل کالج میں بطور استاد میری مختصر مدت کی تقرری کے دوران میں اصطلاحات کے تراجم کی کمیٹی کا رکن رہا اور میری بعض تجاویز کو سید صاحب اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے قبولیت کا شرف بخشا۔ میں زندگی میں صرف ایک ہی بار سمن آباد ان کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ اتفاق سے وہ موجود نہ تھے۔ ان کے صاحب زادے سے مختصر سی ملاقات کے بعد میں واپس چلا آیا تھا۔ میں نے ان سے کبھی کوئی کتاب مستعار نہیں لی تھی۔ ان کی شفقت اور اندازِ کرم ہی میرے لیے کافی و وافی تھا۔ ان کا اندازِ تدریس اتنا قابلِ رشک حد تک دل پذیر اور اثر انگیز تھا۔ وہ مشکل بات کو اتنا سہل بنا کر پیش کرتے تھے کہ آج بھی حیرت ہوتی ہے۔ وہ ڈاکٹر سید عبداللہ کے پُر خلوص دستِ راست، ڈاکٹر عبادت بریلوی کے قریبی دوست اور رفیقِ کار اور طلبا و طالبات کے لیے ستارۂ نور و اطمینان۔ ان کی تحریروں میں جو پُر خلوص علمیت اور دلوں کو ٹھنڈک بخشنے والی روشنی ہے، اس سے میں آج بھی مستفید ہوتا ہوں۔ (۱)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے سید وقار عظیم کے بارے میں اپنی یادداشتیں اس مختصر تحریر میں رقم کر دی ہیں۔ یوں اس تحریر کی اہمیت تاریخی ہو گئی ہے۔ یعنی ڈاکٹر اسلم انصاری کے خطوط میں پیش کردہ معلومات ہر لحاظ سے اہم ہیں۔ جرمن اقبال شناس این میری ی ـــ مل سے اپنی ملاقات اور دیباچے کے بارے میں لکھا تو معلوم ہوا کہ صورت کیا بنی تھی۔ ان کے خطوط میں شخصیات کے تذکرے میں یہ بات بھی اہم ہے۔ محولہ بالا خط میں مزید لکھا:

> جرمن اقبال شناس اور مستشرق سے میری بس ایک براہِ راست ملاقات ہوئی جس میں میں نے ان کی خدمت میں اپنی فارسی مثنوی 'داغ لالہ وای نشتر ای ستارۂ غمناک' پیش کرتے ان سے پیش لفظ یا دیباچہ لکھنے کی درخواست کی تھی، جسے انھوں نے شرفِ پذیرائی بخشا اور ایک مختصر دیباچہ لکھ دیا۔ جس کی ایک نقل پچھلے عرصے میں میں نے ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی کو ارسال کی تھی اور انھوں نے یورپ جانے سے پہلے اسے اپنے ایک مضمون میں شامل کر لیا تھا۔ (۲)

ڈاکٹر اسلم انصاری کے خطوط میں ان کے سوانحی اشارے بھی ملتے ہیں جو ان خطوط کے علاوہ ان کے مکالموں اور انٹرویوز کے مجموعے ر ی کلامات میں بھی ملتے ہیں۔ جہاں کہیں سوانحی اشارے موجود ہیں وہاں شخصیات کا تذکرہ ہے۔ اس

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

کے علاوہ اہم بات یہ کہ پروفیسر غازی علم الدین کے نام خطوط ایک سلسلے میں انھوں نے اپنے سوانحی حالات مفصل بیان کیے ہیں ان خطوط کے عکوس شامل متن کیے جا رہے ہیں۔ ایک اقتباس یہاں درج کیا جا رہا ہے:

> گزشتہ خط میں اپنے ہیڈ ماسٹر میاں رسول بخش کا تذکرہ کرنا چاہتا تھا جن کی بدولت میرا تعلیمی کیریئر ٹریک پر آیا۔ میاں رسول بخش ایک معروف اور مقبول ہیڈ ماسٹر تھے ان کی تدریس اور نظم وضبط مثالی تھا... میرا ایک پڑوسی مشتاق مجھے ان کے پاس لے گیا... اور انھیں کہا... میاں صاحب! میں ایک علامہ آپ کے پاس لے آیا ہوں۔ انھوں نے مجھے دیکھا اور کہا اچھا...! آ بھئی علامے، مجھے یہ پڑھ کے سنا... میں نے فر فر پڑھ کے سنا دیا۔ خوش ہوئے۔ ایک دو جملوں کی انگریزی "بنانے" کو کہا۔ میں نے سیکڑوں مشقیں کی ہوئی تھیں۔ فوراً ان کا ترجمہ کر دیا۔ (۳)

شخصیات سے جڑی یاد داشتوں کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح مکتوبات میں چلتا رہا اور جاری ہے اور کہیں مفصل کہیں اختصار کے ساتھ کسی نہ کسی شخصیت کا تذکرہ مل جاتا ہے جس سے ایسے اہم اشخاص کے بارے میں مفید معلومات بھی مل جاتی ہیں۔ پروفیسر غازی علم الدین صاحب کو ایک خط میں لکھا کہ چند دن پہلے کی ٹیلی فونک گفتگو میں ڈاکٹر رانا نصر اللہ خان کا ذکر ہوا تو اس تذکرے نے ان کے ذہن میں اپنے زمانۂ طالب علمی کی یادیں تازہ کر دیں جن کو ذہن میں مرتب کر کے ڈاکٹر اسلم انصاری کو Nostalgia کا لطف ملا۔ وہ تمام یادیں مرتب کرتے ہوئے انھوں نے ڈاکٹر رانا نصر اللہ خاں سے پہلی ملاقات اور ان کے حلیہ و شخصیت کے بارے میں مفصل لکھا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر رانا نصر اللہ خان کی حیات کے اک ایسے گوشے پر بھی لکھا جو شاید لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا یا شاید بھلا دیا گیا۔ لکھتے ہیں:

> جابر علی سیّد اور ڈاکٹر رانا صاحب کم از کم چار پانچ سال تک ایمرسن کالج میں کولیگ رہے ہوں گے۔ میرے علم میں نہیں کہ ان کے درمیان کس نوع کے تعلقات رہے ہوں گے تاہم کافی عرصہ بعد جابر علی سیّد نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر رانا صاحب دست شناس بھی تھے اور ان کے نام میں لفظ "جوگی" کا اضافہ بھی تھا۔ یعنی یہ لفظ ان کے آفیشیل نام کا حصہ تھا نیز یہ کہ کیمبرج یونی ورسٹی کے زما طالب علمی میں ڈاکٹر رانا یونی ورسٹی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے لندن کے فٹ پاتھ پر اپنے نام کا بورڈ لٹکا کر جس میں لفظ "جوگی" واضح طور پر لکھا ہوتا تھا پیشہ ور پامسٹ کے طور پر بیٹھ جاتے تھے اور فیس

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

لے کر ہاتھ دیکھتے تھے۔(۴)

مذکورہ بالا خط میں انھوں نے مزید لکھا کہ ڈاکٹر رانا نصر اللہ خان کے بارے میں ایسی بات لکھتے ہوئے انھیں تامل رہا وہ کسی کی عیب نمائی میں شامل ہونا نہیں چاہتے تھے لیکن پھر دست شناسی کو ایک علم کے طور پر بیان کیا اور لکھا:

> ہمارے ہاں دست شناسی کو ''فراست الید'' کا نام دیا جاتا تھا اور یہ علم بھی جملہ قیافہ شناسی کے علوم میں شمار ہوتا تھا اور قیافہ شناسی پر کسی نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے حصول علم و دانش اور تکمیل علوم کے لیے ڈاکٹر رانا صاحب کے بے پایاں جذبے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ اس لیے میں نے یہ بات بالآخر لکھ ہی ڈالی۔(۵)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے اس سلسلے کے خطوط میں سب سے تفصیلی خط ڈاکر وزیر الحسن عابدی مرحوم کی شخصیت کے بارے میں لکھا جو پروفیسر غازی علم الدین صاحب کے نام ہے اور مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین مرتبہ حفیظ الرحمٰن احسن میں شامل ہے۔ یہ خط اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۴۴ سے ۱۵۶ تک پر محیط ہے۔

اس خط میں کئی اور اہم شخصیت کا تذکرہ بھی مل جاتا ہے۔ مثلاً اپنے دوستوں کے بارے میں یوں بتایا:

> آفتاب اصغر، عابد صدیق، خورشید رضوی اور انور مسعود... یہ ہمارا خاص الخاص حلقۂ احباب تھا۔ کچھ اور لوگ کبھی کبھار، 'حاشیہ نشینی' کا شرف ضرور حاصل کر لیتے تھے لیکن Hardcore میں شامل نہیں ہو پاتے تھے جس کے لیے ذہانت، ذوقِ لطیف، وسعتِ مطالعہ، حسنِ گفتار اور کسی قدر خوش وضعی کی بھی شرط تھی لیکن یہ Implicit تھی، کبھی زبان پر نہیں آئی تھی اور اب نگاہِ بازگشت کی بدولت ذہن میں اُبھری ہے۔(۶)

پروفیسر سید وزیر الحسن عابدی صاحب کے بارے میں اپنی یادداشتیں مجتمع کرتے ہوئے ان سے ملاقات کا احوال یوں لکھا ہے کہ یہ پانچوں دوست مل کر وزیر الحسن عابدی صاحب کے گھر گئے۔ یوں بیان کیا ہے:

> ایک روز شام کو ہم پانچوں ان کے سمن آباد والے گھر جا دھمکے۔ اتفاق یہ ہوا کہ میں ایک الگ کرسی پر براجمان ہو گیا اور وہ چاروں دوست ایک صوفے پر باجماعت بیٹھ گئے ایک اور اتفاق یہ تھا کہ میں ان دنوں نیّر تخلص کرتا تھا اور دوستوں میں یہی تخلص بطور نام کے معروف اور مقبول ہو گیا تھا۔ چناں چہ تعارف کا مرحلہ شروع ہوا۔ میرا نام بتایا

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

گیا۔ نیّر، پھر آفتاب، پھر خورشید، پھر انور... پھر عابد صدیق سوز (اس زمانے میں ان کا یہی تخلص تھا) اب ان ناموں پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالیے۔ نیّر، آفتاب، خورشید، انور... غالباً ان ناموں کی معنویت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عابدی صاحب نے فرمایا:

بھئی سبحان اللہ، سبحان اللہ... ایسا مجمع الانوار ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔(۷)

ڈاکٹر اسلم انصاری ایک محتاط شخص ہیں وہ اشخاص و افراد کے بارے میں محتاط رائے دیتے ہیں تو ساتھ ہی اپنے بارے میں دی گئی آرا پر بھی کڑی نظر رکھتے ہیں اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے تنبیہی تحریریں بھی سامنے آتی ہیں۔ مدیر 'الحمرا' کے نام ایک خط میں جناب رؤف صاحب کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ڈاکٹر اسلم انصاری کی غلط فہمی کی تصحیح کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لکھا ہے:

انھوں (رؤف خیر) نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ میں ... میں مالک رام کے ''تذکرۂ ماہ و سال'' میں ور غلانے والی بے شمار غلطیوں کی نشان دہی کی تھی۔ عرض ہے کہ اس میں جناب رؤف کو تسامح ہوا ہے۔ یہ مضمون کسی اور کا ہو گا میں نے ایسا کوئی مضمون نہیں لکھا تھا۔ ان کا مضمون 'نالائق باپ کی لائق اولاد' باعثِ عبرت ہے۔ خدواند تعالیٰ میری عمر کے لوگوں کی اولادوں کی سعادت مندی کو سلامت رکھے۔(۸)

ڈاکٹر اسلم انصاری کے خطوط کی نوعیت یہ ہے کہ کچھ خطوط ادبی رسالوں اور رسالوں کے مدیران کے لیے لکھے گئے ہیں جب کہ چند خطوط ایسے بھی ہیں جن میں اہم علمی و ادبی شخصیات کے بارے میں ان کی وقیع رائے یا بہترین یادداشتیں ملتی ہیں۔ یہ یادداشتیں شخصیات کے علمی و ادبی کارناموں اور انصاری صاحب کے ان سے ذاتی تعلقات پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان مباحث میں علمی دیانت داری کا ثبوت دیا ہے۔ ان کے علمی، ادبی اور تنقیدی مباحث پر مبنی خطوط کی بات کی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلسل ارتقا نظر آتا ہے۔ ایسا ارتقا جس کی بنیاد میں مطالعے کی وسعت شامل ہے۔ کلاسیکی مباحث پر اپنے مؤقف کو پیش کرتے ہیں تو روایت کی بیخ کنی نہیں کرتے اور جدید مباحث پر بات کریں تو اکثر مقامات پر کھلے دل سے لاعلمی کا اظہار کر دیتے ہیں۔

ان خطوط میں طولانی بحثیں شامل نہیں بلکہ اختصار اور جامعیت پر مبنی ہیں۔ ہاں یہ ہے کہ ایک نکتے پر ایک ایک Thesis قائم کیا جا سکتا ہے۔ اپنی تصانیف کی طباعت و اشاعت کے معاملات بھی حل کرتے نظر آتے ہیں۔ ادبی مشورے بھی دیتے نظر آتے ہیں۔ ان خطوط سے اسلم انصاری پر کیے گئے اور جاری تحقیقی کاموں سے بھی آگاہی ملتی ہے۔ ان کے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

علمی و ادبی خطوط اپنے اندر لفظی تحقیق کا بھی ایک جہاں سمیٹے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی سوانح کے بارے میں مستند معلومات بھی ان خطوط کا حصہ ہیں۔ ان کے مستقبل کے علمی منصوبے بھی ان خطوط سے عیاں ہوتے ہیں کہ جب احباب سے مشورہ کرتے ہیں تو ان منصوبوں کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرتے ہیں۔

اسلم انصاری صاحب ایک محتاط ادیب ہیں انھیں گہرا قلق ہوتا اور صدمہ پہنچتا ہے اگر کوئی ان کے حوالے سے بے بنیاد بات کی تشہیر کر دے۔ وہ اپنے خطوط میں ایسی باتوں کی تردید کرتے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں۔ کہیں کہیں اختلافی پہلو بھی سامنے آتے لیکن ان اختلافات کے اظہار میں بھی وہ عالی ظرفی اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ تازہ اشعار اور مسلسل افکار ان کے خطوط میں مل جاتے ہیں۔ مختلف ادبی فن پاروں، ہندی، اردو، فارسی ادبیات، فکشن کے شاہکاروں کا تقابل بھی ان کے خطوط کا حصہ ہے۔ افسانوں کے تجزیے میں بھی عنوانات کی لفظی اور معنوی تفصیلات کو کھولتے نظر آتے ہیں۔

ایک ادیب اپنے گہرے مطالعے اور مشاہدے کے بعد جو خیالات و افکار اپنے ذہن میں پروان چڑھاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً ان خیالات و افکار کا اظہار کرتا ہے۔ اظہار کے وسیلے اور ذرائع مختلف ہوتے ہیں۔ ان مختلف ذرائع سے بار بار خیالات کا اظہار ایک تکرار کو بھی جنم دیتا ہے لیکن یہ تکرار نظریات کی توثیق کے لیے بھی ضروری ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ پہلے اپنے خیالات کو جنم دیتا، پالتا ہے اور پھر اظہار کرتا ہے اور جب اظہار کر دیتا ہے تو بارہا ان خیالات میں تبدیلی بھی آتی ہے ارتقا بھی سامنے آتا ہے۔

نجی محفلیں، انٹرویوز اور خطوط ایسے ذرائع ہیں کہ اگر ان میں پیش کردہ خیالات کا تقابل ناقد اور ادیب کی تصانیف میں پیش کردہ خیالات سے کیا جائے تو مماثلتیں اور اختلاف سامنے آتے ہیں۔

ان اختلافات و میاملوں کا مطالعہ بذاتِ خود مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس تقابلی مطالعے سے جہاں اس ادیب کے خیالات و افکار کی وضاحت ہوتی ہے وہیں قارئین کے لیے ایک واضح صورتِ حال سامنے آتی ہے۔

علامہ اقبال کے شعری و نثری افکار کے تقابل پر مبنی کئی مباحث سامنے آتے رہے ہیں۔ شعری و نثری کیا ان کے ۱۲۰۰ سے زائد خطوط میں موجود سیکڑوں مباحث کا بھی بغور مطالعہ کیا جاتا رہا ہے اور یہ تجربے نہ صرف سود مند ثابت رہے بلکہ ان کی شاعری کی توضیح و تشریح میں بھی معاون ثابت ہوئے۔ ''اسرارِ خودی'' کے حوالے سے تو خاص طور پر ایسے مباحث ملتے ہیں کہ جن سے اس مثنوی کے لکھے جانے کے محرکات اور علامہ کے مطالعات کا دائرہ واضح ہوتا ہے۔ فیض احمد فیض کے تنقیدی خیالات ان کے خطوط سے بھی واضح ہوئے۔ مکتوب نگاری کی آزادی ادیب سے دل کی باتیں

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

کہلواتی ہے جس میں اسے کسی قسم کا کھٹکا نہیں ہوتا۔ نجی و ذاتی خطوط سے قطع نظر ادبی و علمی نوعیت کے خطوط کی بات کی جائے تو ادیب کی تصانیف، خاص طور پر تنقیدی تصانیف کے مباحث کے ساتھ تقابل خاصے کی چیز ہے۔

ادیب بھی گوشت پوست کا ایک انسان ہے اور اس کا دل تو زیادہ حساسیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ ایک پہلو پر سوچتا ہے تو بارہا اس کا اظہار کرتا ہے۔ اپنی گفتگو / انٹرویو میں، نجی محفلوں تنقیدی مقالوں میں غرضیکہ کبھی کبھی یہ بات کی تکرار لگتی ہے اور ناگوار گزرتی ہے لیکن حقیقت میں یہ خیالات کی توثیق کا عمل ہے کہ ایک شخص سوچ سمجھ کر کسی ایک مؤقف کو اپناتا ہے اور پھر اس کا جابجا اظہار کرتا ہے۔ ایک سے دوسرے مقام پر اظہار میں اگر موقف میں فرق آئے تو یہ دو میں سے کسی ایک صورت کا متحمل ہو گا۔ پہلی یہ کہ بیان کرنے والے کے کسی گزشتہ بیان ہی کی توسیع ہو جس میں مزید مطالعہ پختگی کو جنم دے چکا ہو اور مطالعے اور مشاہدے کے نتیجے میں اس مؤقف کی بہتر صورت سامنے آجائے اور یوں بسا اوقات ایک مؤقف کو ترک بھی کر دیا جاتا ہے لیکن یوں بھی ہوتا ہے کہ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے اور تمام منفی پہلوؤں کو سمجھتے ہوئے بھی مؤقف سے نہ ہٹا جائے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری صاحب کے ہاں ہمیں یہ صورتِ حال نظر آتی ہے کہ ان کی تصانیف خصوصاً تنقیدی تصانیف یا تصانیف کے دیباچوں میں ادب اور اس کے نظریات کے حوالے سے جو مؤقف نظر آتا ہے۔ بعد ازاں خطوط میں زیادہ وسعت کے ساتھ اسی مؤقف کی صراحت ہو جاتی ہے اور یہ تقابلی مطالعہ یقیناً خاصے کی چیز ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ان کے انٹرویوز کے مجموعے ''مکالمے'' میں اور بعد ازاں ان کے شعری مجموعے ''نقش عہدِ وصال کا'' کے دیباچے میں مشترک خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعد ازاں راقمہ کے استفسار پر ایک خط میں مفصل جواب بھی دیا۔ دیباچے سے مقتبس حصہ اور خط کا متن یوں ہیں:

> ''نقش عہدِ وصال کا'' میں متن نے رباعیات کو بھی شامل کیا تھا۔ اس لیے کہ میرے خیال میں اس صنف کو مختصر نظم کی کلاسیکی ہیئت کے طور پر قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں کم از کم جو لوگ ہائیکو نہ کہنا چاہیں اور رباعی کی صنف کے فنی تقاضے پورے کر سکتے ہوں ان کو اس سے ضرور اعتنا کرنا چاہیے۔ (۹)

کم و بیش یہی خیالات ان کے ایک خط میں بھی ملتے ہیں جو ہو بہو درج کیے جا رہے ہیں:

> اگر ہم رباعی کو مختصر نظم کی ایک مسلمہ اور مصدقہ ہیئت کے طور پر اپنائیں تو آخر اس میں حرج ہی کیا ہے بشرطے کہ رباعی کے اس قدیم فنی تصور سے چندے صرفِ نظر کر

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

> لیا جائے کہ اس میں صرف حکیمانہ خیالات اور اخلاقی اور متصوفانہ مضامین ہی بیان ہو سکتے ہیں... میرے ذہن میں ہمیشہ یہ خیال رہ رہ کر سر اٹھاتا رہا ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم رباعی کو ایک صنف کے طور پر نہیں بلکہ صرف ایک ہیئت کے طور پر استعمال میں لائیں، ہو سکتا ہے اس صورت میں مختصر نظم کو ایک تسلیم شدہ ہیئت اور ایک نیا وزن و وقار میسر آئے، میری معریٰ رباعیات اسی سلسلۂ خیال کا ایک حصہ ہیں۔(۱۰)

راقمہ نے ایک خط میں ان سے سوال کیا کہ رباعی کو مختصر نظم کی کلاسیکی ہیئت کے طور پر قبول کرنا کہا ہے۔ اس کی مزید صراحت کی ضرورت ہے۔ ۱۵/ اگست ۲۰۲۲ء کے مکتوب میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے یوں صراحت فرمائی:

> رباعی ایک ہیئت(Form) بھی ہے اور ایک صنف شعر بھی ہے۔ صنفِ شعر کے طور پر رباعی کے بہت سے لوازمات ہیں۔ مثلاً تین مصرعوں میں خیال کا ارتقا۔ چوتھے مصرعے میں برجستگی کے ساتھ خیال کی تکمیل لیکن اگر اسے صرف ایک ہیئت کے طور پر لیا جائے تو یہ چار مصرعوں کی ایک نظم بھی کہی جا سکتی ہے جسے مختصر نظم کی ایک معرقہ یا ہیئت کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہیں سے میں نے معریٰ رباعی کے تصور کو اخذ کیا اور اس پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ لیکن افسوس ہے کہ رباعی گو شعرا نے اس طرف توجہ نہیں کی... میرے خیال میں میری معریٰ رباعیاں جمالیاتی حظ سے خالی نہیں۔(۱۱)

الفاظ اور معنی کی مطابقت مشرقی انتقاد میں ایک اہم مبحث ہے اور اردو میں علم معانی، بیان اور بدیع کے مباحث میں ہمیشہ اس پہلو کی اہمیت رہی ہے۔ جدید لسانی علوم میں معنی کی تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے کہ معنی وہ چیز ہے جس کے بغیر ہمارا ہر سماجی ابلاغ (اظہار) چیخ پکار کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ مشرق کے علما نے بلاغت کے لفظ کی "وصعیت" پر زور دیا وہ دراصل سماجی عمل ہے۔ مغرب کے لوگوں نے ابلاغ کے حوالے سے بات کی اور ابلاغ بھی ایک سماجی عمل ہے۔ چناں چہ لفظ و معنی کا لزوم سماج کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ۴ نظری طور پر لفظ اور معنی دو الگ الگ زُمرے ہیں وگرنہ ان کو زیرِ بحث ہی کیوں لایا جاتا! لیکن ان کے ارتباط کا وقوع بہت دور کے ماضی میں کھویا ہوا ہے۔

قائم چاند پوری کے ایک شعر کا مصرع ہے:

معنی نہ آئیں درک میں غیر از وجود لفظ

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

علمِ معانی کی ایک بحث ہے کہ کیا لفظ اپنا الگ وجود رکھتا ہے یا معانی کا محتاج ہے اس ضمن میں مختلف قسم کے خیالات ملتے ہیں۔ اس سوال کا جواب ڈاکٹر اسلم انصاری نے راقمہ کے نام ایک خط میں مفصّل درج کیا:

> یہ بحث ایک طویل عرصے سے جاری ہے کہ لفظ و معنی کے درمیان رشتے کی نوعیت کیا ہے۔ ہمارے مشرقی علما لفظ کو "کلمہ" کہتے ہیں اور "کلمے" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایسا لفظ ہے جو کسی معنی کو ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ جدید علم لسانیات کی رُو سے "زبان" ایک ایسا ذریعۂ اظہار ہے جس میں لفظ اور اس کے معنی کا رشتہ من مانا (Arbitrary) ہے یعنی کسی وقت انسانوں کے اجماع نے الفاظ کے معنی سے اتفاق کیا۔ اور زبان پیدا ہو گئی لیکن یہ اجماع (اتفاقِ رائے) کب پیدا ہوا۔ اس کے بارے میں قطعیت سے کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ مغرب میں ایک صاحب کاؤنٹ کیشرز ہوئے ہیں جو جرمن تھے، ان کے بعض خیالات انگریزی میں ترجمہ ہو کر ہم تک پہنچے۔ ان کا خیال تھا کہ زبان کی اوّلین صورتوں کو اسطور (Myth) میں تلاش کرنا چاہیے۔ (۱۲)

مشترک مباحث کے ارتباط کی بات کی جائے تو انھوں نے اپنے مجموعۂ شاعری "شب عشق کا ستارہ" کے دیباچے میں لفظ و معنی کی جو بحث شامل کی ہے اس میں بھی کم و بیش یہی خیالات ملتے ہیں:

> شاعری بنیادی طور پر تو زبان ہی کا عمل ہے، اس لیے میرے نزدیک شاعری زبان کے علم کے بغیر ممکن نہیں (لیکن زبان کا علم بھی ایک بے حد وسیع اصطلاح ہے، اس لیے کہ "زبان کا علم، کئی علوم کی صورت اختیار کر چکا ہے) شاعری بڑی حد تک زبان کی موسیقی بھی ہے، لیکن "الفاظ کا ترنم" بھی ایک بے حد محدود پیرایہ ہے، شاعری کے تمام اجزا ہر سطح پر مترنم نہیں ہو سکتے... لفظ و معنی کا دائمی رشتہ (جس کے بغیر نہ زبان کچھ رہتی ہے نہ شاعری) اسے ایک دنیائے معنی کے مترادف بنا دیتا ہے، شاعری میں معنی پہلے سے موجود حقیقت کا بیان ہی نہیں کرتے بلکہ معنی تخلیق بھی کرتے ہیں، شاعری کا سب سے بڑا جواز تخلیق معانی ہی ہے۔ (۱۳)

اسلم انصاری صاحب ہی کا ایک شعر ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

الفاظ ختم ہوں تو ملے رشتۂ خیال
یہ گرد بیٹھ جائے تو رستہ دکھائی دے

ڈاکٹر اسلم انصاری کی علمی و ادبی جہات پر گزشتہ اوراق میں تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں۔ ان کے خطوط (علمی و ادبی) بہت سے مباحث اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان مباحث کا گہرا تعلق ان کی تنقیدی کتب کے ساتھ بھی ہے۔ اس تعلق کو دریافت کرنے کی کوشش کی جائے تو صورتِ حال یوں بنتی ہے کہ ان کے مکاتیب کے مکتوب الیہم میں جو شخصیات شامل ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے ان کے علمی و ادبی استفسارات کے جواب دینے میں جو دقتِ نظری سے کام لیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ایک مکتوب میں معلومات اس قدر ہیں کہ ایک تحقیقی مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

''بیدل شناسی'' میں ڈاکٹر اسلم انصاری کا اپنا ایک الگ مقام ہے۔ انھوں نے بیدل کی شاعری پر بہت کچھ لکھا جو ان کی متعدد تنقیدی کتب اور مجموعہ مقالات میں مضامین کی صورت میں مل جاتا ہے۔ ''غالب کا جہانِ معنی''میں مضمون بہ عنوان ''تفہیمِ بیدلؔ و غالبؔ'' میں تسامحات، 'مکالمات' میں ایک سوال کا مفصل جواب درج ہے جس کا عنوان مرزا بیدل کا ایک شعر، ایک غزل ہے۔ مطالعاتِ اقبال میں ایک مضمون بہ عنوان ''شعرِ بیدلؔ''میں خود شناسی کی تلقین اور تصورِ خودی کی جھلکیاں اس کے علاوہ تفہیمِ بیدلؔ کے سلسلے میں انھوں نے اپنے مطالعات اور شذرات کو تیرہ مضامین کی صورت میں پیش کیا ہے۔ بیدلؔ ہی کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح 'میناخانۂ حیرت' عنوان ہے۔ اسے ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور نے ۲۰۱۹ء میں شائع کیا۔ اس کتاب کے مرتب ڈاکٹر شوکت محمود ہیں اور ان کا ایک مضمون ''بیدل شناسی کے فروغ میں ڈاکٹر اسلم انصاری کا حصہ'' بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ تیرہ مضامین یوں ہیں:

۱۔ تفہیمِ بیدلؔ: مراحل و مقامات
۲۔ شعرِ بیدلؔ میں خود شناسی کی تلقین اور تصورِ خودی کی جھلکیاں
۳۔ حرف و نغمہ اور خاموشی کی مابعدالطبیعیات
۴۔ اقبالؔ اور مرزا عبدالقادر بیدلؔ
۵۔ صائبؔ اور بیدلؔ
۶۔ تفہیمِ بیدلؔ اور غالبؔ میں تسامحات
۷۔ مرزا بیدلؔ کا ایک شعر، ایک غزل
۸۔ شرح منتخباتِ بیدلؔ

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

۹۔ حرف حرف بیدلؔ
۱۰۔ بیدلؔ کی ''معنی ناپذیر'' شاعری
طلمیہ ۔ مات براشعارِ بیدلؔ از مصنف
۱۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا انتخاب بیدلؔ
۱۳۔ بیدلؔ کا پیغام فکر و عمل

چند برس قبل شہر ملتان کی ایک شخصیت مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی (دہلوی) خطیب جامع مسجد نشتر کالج نے ایک مختصر رقعے کے ذریعے ڈاکٹر اسلم انصاری سے بیدل کے ایک شعر کے معنی دریافت کیے جو تفصیلاً لکھ کر بھیج دیے گئے۔ ''بیدل کا ایک شعر، ایک غزل'' میں یہ تفصیلات موجود ہیں مزید لکھا:

> یہ مضمون گزشتہ سال میری کتاب ''مکالمات'' میں شایع ہوا۔ جس کی فہرست مضامین ایک دوست نے فیس بک پر شیئر کر دی۔ یہ فہرست مضامین پروفیسر شوکت محمود، صدرِ شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، بنوں کی نظر سے گزری...'' اس فہرست کو دیکھ کر شوکت محمود نے مجھ سے رابطہ کیا... اس کتاب میں شامل میری تشریحات منتخباتِ بیدل اور تراجم پروفیسر شوکت محمود کے حسنِ انتخاب کا نتیجہ ہیں۔ مضامین جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے ان کی جمع آوری میں انھیں کا ایما اور محبت شامل ہے۔ (۱۴)

انھوں نے بیدل کے اشعار کی تضمین بھی کی ہے جو ان کی مثنوی ''نگارِ خاطر'' اور طویل نظم ''تکرارِ تمنا'' میں شامل ہے۔ بیدل اور غالب کی زمین میں متعدد اشعار بھی کہے۔

بیدل شناسی میں ڈاکٹر شوکت محمود کے نام ان کا ایک خط بہت اہمیت کا حامل ہے۔ خط کا متن قدرے طویل صورت میں پیش کیا جارہا ہے جس سے ان کے مطالعات کی لطافت اور باریکی جاننے میں آسانی ہو گی:

> مدت ہوئی خواجہ عباد اللہ اختر کی کتاب ''بیدل'' میں قطعات کے باب میں بیدلؔ کا ایک قطعہ نظر سے گزرا تھا، جو دل و دماغ پر نقش ہو گیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اب سے چند سال قبل پڑوسی ملک کے ایک ممتاز اقبال شناس اور منفرد طرز کے شاعر جگن ناتھ آزاد نے اس قطعے کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا اور بیدل کا حوالہ دیے بغیر اسے اپنے کلام کے طور پر پیش کیا۔ ان کا یہ ترجمہ ماہ نامہ ''الحمرا'' لاہور کی کسی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

افسوس ہے کہ میں بروقت ان کی اس دیدہ دلیری کی نشان دہی نہ کر سکا اور بعد میں بات پرانی ہوتی چلی گئی۔ بہر حال بیدل کا وہ قطعہ یوں ہے:

بحرِ بے تاب کہ آن گوہرِ نایاب کجاست چرخِ سرگشتہ کہ خورشید جہاں تاب کجاست
دیر ازیں غصّہ در آتش کہ چہ رنگ است صنم کعبہ زین درد سیہ پوش کہ محراب کجاست
اے سمندر بہ ہوس داغ فروش آتش کو ماہیاں تشنہ بمیرند، دمِ آب کجاست

راقم نے اس بے مثال قطعے کے دو مصرعے اپنی ایک فارسی نظم (یا قطعے میں) تضمین کیے ہیں۔(۱۵)

محولہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اسلم انصاری نے کسی بھی موضوع کو سرسری نہیں دیکھا بلکہ اسے برتا ہے، پرکھا ہے پھر پیش کیا ہے۔ ان سطور میں بھی بیدل کے اشعار کے بارے میں تحقیقی و تنقیدی پہلو غالب ہے پھر یہ کہ اپنی شاعری میں بیدل کے اشعار کی تضمین بارے بھی بتا دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک بہترین مترجم بھی ہیں، جہاں کہیں فارسی اشعار کا حوالہ دیتے ہیں ان کا سلیس ترجمہ بھی پیش کر دیتے ہیں جس کے باعث عبارت مزید روانی کی متحمل ہو جاتی ہے۔ محولہ بالا اقتباس میں مندرجہ اشعار کا ترجمہ بھی اس خط میں یوں پیش کر دیا ہے:

> بحر (سمندر) بے تاب و بے قرار ہے کہ وہ گوہر نایاب کہاں ہے (جو سمندر چکر کھا رہا ہے) کی نظر میں 'حاصل وجود' ہے... آسمان رات دن گردش میں ہے کہ آخر وہ 'خورشید جہاں تاب' کہاں ہے جو آسمان کے نقطۂ نظر سے حاصل وجود ہے... آتش پرستوں کا آتش کدہ اس غم و غصہ کی آگ میں جل رہا ہے کہ آخر وہ صنم، وہ بت جو آتش کدے کے نقطۂ نظر سے "اصلِ وجود" ہے۔ کہاں ہے؟ کعبہ اس درد میں سیاہ پوش ہے کہ وہ "محرابِ حقیقی" ہے کہاں جس کی طرف سب رُخ کرتے ہیں۔ اے سمندر (آگ کے کیڑے) تجھے بھی آگ کی تلاش ہے... تو اس آتشِ حقیقی کی ہوس میں اپنے داغوں کی نمائش جاری رکھ وہ آگ کہاں ہے جو اصلِ وجود ہے۔ یہاں تو مچھلیاں اس غم میں پیاسی رہ جاتی ہیں کہ پانی ہے کہاں)(۱۶)

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

تضمین کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ جب ایک شاعر کسی دوسرے شاعر کے خیالات کو اپنے تفکر اور خیالات سے قریب پاتا ہے تو اشعار تضمین کرتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے بھی بیدل کے افکار کو اپنے دل کے قریب پایا اور اشعار ہی کی صورت باز تخلیق کا لطف اٹھایا۔

محولہ بالا اشعار کا تاثر اتنا گہرا رہا کہ ڈاکٹر اسلم انصاری نے دو مصرعے اپنی ایک نظم بہ عنوان ''تلاش'' میں تضمین کیے ہیں:

ساز پیوستہ بایں فکر کہ مضراب کجاست　　نغمہ بے تاب کہ آخر دل بے تاب کجاست
منتظر پیرِ مغاں از پئے رندانِ کجاست　　رند مخمور بایں غم کہ مئے ناب کجاست
خواب آشفتہ کہ تکاے بہ شبستاں مانم　　گفت بعے ما کہ درِ خواب کجاست
''گوہرا ان ہہ آب اندر زندانِ صدف''　　بحر بے تاب کہ آں گوہر نایاب کجاست
''دل خورشید پیدہ پئے یک ماہ تمام　　چرخ سرگشتہ کہ خورشید جہاں تاب کجاسست[۱۷]

بیدل کے حوالے سے راقمہ کے نام ان کے ایک خط میں بھی مفصل معلومات ملتی ہیں۔ ان تفصیلات میں ان تمام خیالات کی بازگشت، توثیق کا باعث بنتی ہے جو خیالات ان کے بیش تر مضامین میں موجود ہیں۔ سوال بیدل کا نظریۂ فن کیا ہے؟ کے جواب میں انھوں نے مفصل جواب فراہم کیا۔ اس کا جوں کا توں درج کیے جانا ضروری ہے جو یہ ہے:

> بیدل ایک وسیع الذہن انسان تھے۔ ان کے اشعار کی تعداد لاکھوں میں ہے، اتنی تعداد میں شعر کہنے والے کے ہاں باہم متضاد اور متخالف خیالات کی موجودگی ممکن الوقوع ہوتی ہے، اس کے باوجود کچھ خیالات اُن کے ہاں سے اخذ ضرور کیے جا سکتے ۔ میرے خیال میں وہ بنیادی طور پر ء لمیقیت کے علم بردار ہیں۔ انسانی عظمت کا تصور بھی ان کے ہاں خاصا واضح ہے۔ اُن کا تصورِ فن ان کے تصورِ زندگی سے الگ دکھائی نہیں دیتا ان کے بعض اخلاقی خیالات اُن کے تصورِ فن کو اُجاگر کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا ایک شعر ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

من نمی گویم زیاں کن یا بہ فکر سود باش
اے ز فرصت بے خبر، در ہرچہ باشی زود باش

میں یہ تو نہیں کہتا کہ اپنا نقصان کرو یا فائدے کی فکر میں رہو۔ اے مخاطب جو فرصت سے بے خبر ہو یعنی تمھیں اندازہ نہیں کہ وقتِ فرصت ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے اس لیے جو کرنا ہے جلدی کرلو۔(۱۸)

ڈاکٹر اسلم انصاری کے خیال میں خود شناسی اور خود مرکزیت کے تصورات جو بہت حد تک ''خودی'' کے تصور کا پیش خیمہ دکھائی دیتے ہیں، ان کے افکار میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ خود گزینی اور خود مکتفی ہونا بیدل کے نزدیک ایک بڑی اخلاقی قدر(Moral value) ہے۔ بیدل اور اقبال کی فکری مماثلات پر بھی انھوں نے لکھا ہے کہ اقبال نے بیدل کا ایک شعر تضمین کیا ہے اور بیدل کو مرشدِ کامل قرار دیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

با ہر کمال اند کے آشفتگی خوش است
ہر چند عقلِ کل شدہ ای بے جنوں مباش

ہر کمال کے ساتھ تھوڑی بہت دیوانگی اچھی لگتی ہے۔ ہر چند تم عقل کل بن گئے ہو، اس کے باوجود بغیر جنوں کے نہ رہو۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے بیدل کے کلام میں زندگی کے مفہوم و مقصد کو یہاں پایا۔

مثلاً اس کے شعر:

زندگی را صفحۂ انشائے قدرت کردہ اند
تا نفس پر می زند، تفسیرِ کاف و نوں کند

کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

اس شعر میں کاف ونون (کُن) اور ''صفحۂ انشائے قدرت'' کلیدی الفاظ ہیں۔ تشریح آسان نہیں پھر بھی کوشش شرط ہے۔ ''کردہ اند'' جمع کا صیغہ ہے جس سے مراد ہے کارکنان قضائے قدرت نے کیا ہے۔ کارکنانِ قضا وقدر نے زندگی کو قدرت (قادر

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ہونے کے مفہوم میں) کے بیان کا صفحہ بنا دیا ہے۔ اس لیے جب تک سانس چلتی ہے (سانس کے پر پھڑ پھڑاتے ہیں) حرفِ "کن" کی تفسیر کرتے رہو، مراد یہ ہے کہ قدرت نے تمھیں قادر بالاعمال بنایا ہے اور حرفِ 'کُن' میں جو "امر" کی رمز تھی تمھیں بھی اس سے حصہ دیا گیا ہے۔ اس لیے جب تک زندہ ہو قدرتِ عمل کی تفسیر کرتے رہو۔ اس سے زیادہ شاید وضاحت نہ کی جا سکے اور یہی ان کا نظریۂ فن ہے۔ تخلیق کرتے رہو، ظاہر ہوتے رہو، ظہور کرتے رہو۔(۱۹)

ڈاکٹر اسلم انصاری اردو ادب کے سچے ادیب ہیں انھوں نے اردو زبان و ادب پر بہت عمدہ تحریریں پیش کی ہیں۔ اردو زبان نے خالص لسانی مباحث بھی ان کے خطوط میں مل جاتے ہیں اور انھی مباحث کی مفصل صورت ان کی تنقیدی کتب اور دیباچوں، تقریظوں میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً "مکالمہ" کے مدیر کو یوں لکھتے ہیں:

اس وقت زبان (اور زبانوں) سے وابستہ معنویتوں کو استحکام بخشنا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے متعین دلالتیں (اور صراحتیں) معاشرے میں استحکام کا باعث ہوں، ہو سکتا ہے لفظ و معنی کا احترام معاشرے میں انسانوں کے ظاہر و باطن کے احترام کا باعث بھی جائے (لیکن اس سے زبان کی وسعتوں اور نئی معنوی پرتوں کی تلاش کی نفی مقصود نہیں۔(۲۰)

یعنی انھوں نے صرف زبان کے خالص لسانی مباحث ہی بیان نہیں کیے بلکہ زبانوں کی معاشرتی حیثیت اور لفظ و معنی کے احترام و تقدس پر بھی رائے دی۔ ان کے نزدیک لفظ و معنی کا احترام کیا جائے گا تو ہی معاشرے میں انسانوں کے ظاہر و باطن کے احترام کی امید کی جا سکتی ہے۔ زبان کا معاشرے اور طرزِ معاشرت سے گہرا تعلق ہے۔

۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۷ء کو انھوں نے مدیر "استعارہ" ڈاکٹر امجد طفیل کے نام ایک خط لکھا جس کے متن سے یہ پتا چلتا ہے کہ اسلم انصاری نے "زبان کی ماہیئت اور تعلیم کے عمل میں اس کی معنویت" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون رقم کیا ہے۔ اس مضمون پر نظر کی جائے تو زبان اور تعلیم کے تعلق پر متنوع جہتیں واضح ہو کر سامنے آتی ہیں۔ اس میں بھی ان کا موقف یہی ہے کہ زبان ہی ہے جو انسان اور معاشرے کا تعلق مضبوط کرتی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

زبان، انسان کو کائنات کے ساتھ مربوط بھی کرتی ہے اور اسے ممیز بھی۔ یہ زبان ہی ہے جس کے ذریعے انسان کائنات کے ساتھ اپنے رابطے کو بامعنی اور پائیدار بناتا ہے۔ زبان کی بدولت اشیا اور واقعات، تصورات (Concepts) اور مفاہیم میں تبدیل ہو کر

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

> انسان کے شعور کا حصہ بن جاتے ہیں اور پھر زبان ہی کے ذریعے پوری انسانیت کو اشیا اور جانداروں کی بے حرف آوازوں کی دنیا میں لفظ اور زبان کے ذریعے ممتاز و ممیز کرتی ہے۔(۲۱)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے باقاعدہ لسانی نظریات پر نہیں لکھا لیکن پھر بھی منتشر صورت میں ہی سہی زبان کی ماہیت، اردو زبان، زبان اور تعلیم، زبان اور معاشرے کا تعلق، میڈیا کی زبان، اخباری زبان اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے خطوط میں تحقیق لفظی پر مبنی مباحث بھی ملتے ہیں:

> فارسی دان حضرات جانتے ہیں کہ ٹھیٹھ فارسی میں سمندر (Sea) کو 'دریا' کہا جاتا ہے۔ یا 'بحر' بھی کہلاتے ہیں... فارسی میں لفظ 'سمندر' کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس سے مراد وہ افسانوی کیڑا (Insect) ہے جو مفروضہ 'کے' طور پر آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں زندہ رہ کر مر جاتا ہے۔(۲۲)

عصرِ حاضر میں زبان کے درست استعمال کے بارے میں جو بے نیازی برتی جارہی ہے۔ اہلِ قلم کی ذمے داری ہے کہ وہ اس مسئلے پر بھی غور کریں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے اس ذمے داری سے عہدہ بر آ ہوتے ہوئے متعدد بار لکھا۔ پروفیسر غازی علم الدین صاحب علم دوست شخصیت ہیں۔ ان کے نام ڈاکٹر اسلم انصاری کا ایک طویل خط ہے، جس کا ایک ایک جملہ زبان بالخصوص اردو زبان کے درست استعمال کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ یہ خط طویل تو ہے لیکن اپنے مباحث میں جامعیت کی مثال بھی ہے۔ تمہید کے طور پر زبان کے عمومی مباحث کو یوں شامل کیا گیا ہے:

> عمومی مفہوم میں زبان کب وجود میں آئی۔ اس کے بارے میں قطعی یقین نہیں پایا جاتا۔ قیاسات کی رو سے جس کی بنیاد آثار و شواہد پر ہے، پانچ سے دس ہزار سال کی مدت کو زبان کے ظہور کی موت قرار دیا جاتا ہے۔ زبانوں کے ظہور، ان کے نشو و ارتقا اور ان کی حتمی تشکیل میں تدریجی ارتقا کا عمل یقینی طور پر برائے کار آتا نظر آتا ہے۔ اسی لیے زبانوں میں تغیر کا اصول بنیادی تصور کیا گیا ہے۔ یعنی زبان کوئی بھی ہو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہے لیکن چوں کہ یہ تبدیلی اتنی آہستہ ہوتی ہے کہ بوقتِ وقوع اس کا پتا نہیں چلتا لیکن جب تبدیلی محسوس حد تک ظہور پذیر ہو چکی ہے تو ماہرینِ زبان اس تبدیلی کو علمی اصطلاحات میں بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔(۲۳)

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

اخبارات نہ صرف معلومات کا ذریعہ ہیں بلکہ زبان کی ترویج و ترقی کا بھی مستند حوالہ ہیں۔ محولہ بالا خط میں چوں کہ اخباری اور میڈیا کی زبان کے بدلتے رجحانات یا بے نیازی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس لیے اخبارات کی تاریخ پر بھی نظر ڈالی گئی ہے اور یوں اظہارِ خیال کیا گیا ہے:

> اگر آپ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۰ء کی دہائی کے سالوں تک کے لاہور سے شائع ہونے والے بڑے اخبارات کی فائل اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو اس زمانے کی اخباری اردو میں اور آج کی اخباری اردو میں اچھا خاص فرق نظر آئے گا۔ یہی حالت شاعری، افسانے اور ناول کی زبان کی بھی ہے۔ لیکن سب سے بڑا فرق یہ ملے گا کہ اس زمانے کی اردو میں زبان و بیان کے قواعد کی پابندی نظر آئے گی جو آج کی اخباری اور میڈیا کی اردو میں بہت حد تک مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ اب بھی بعض اخباروں کے اداریہ نگار، مضمون و کالم نگار اچھی اردو لکھنے پر قادر نظر آتے ہیں۔ (۲۴)

ڈاکٹر صاحب اردو ادب کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ صرف اس بات کا ہی دکھ نہیں کرتے کہ اردو زبان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے بلکہ حال کی صورت حال کے ساتھ مستقبل کے امکانات کی بھی نشان دہی کرتے ہیں:

> اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو پاکستان کے کسی جغرافیائی خطے کے لوگوں کی مادری زبان نہیں ہے۔ یعنی ہم پاکستان کے کسی علاقے کو اردو زبان کا سرچشمہ (Spring Well) قرار نہیں دے سکتے (جیسے مثلاً دہلی، لکھنؤ اور اودھ کے بعض دوسرے شہروں کو قرار دے سکتے ہیں)۔ اس لیے اب زبانوں کے نشو و ارتقا کا تمام تر دار و مدار بولنے والے کی بول چال پر ہے... اردو پاکستان کے لیے اس طرح کی غیر زبان (Alien) نہیں ہے، جیسے مثلاً انگریزی یا دنیا کی کوئی اور زبان... بلکہ قدیم روابط کی رو سے اس کا پاکستان کی بہت سی زبانوں سے گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے پاکستان کے لوگوں نے، جن کی اکثریت کی مادری زبان اردو نہیں ہے، اسے بطور سیکنڈ لینگویج اختیار کر لیا ہے۔ (۲۵)

یہ تو ہوئی اردو کے اختیار کیے جانے کی صورت اور یہ کہ اردو پاکستان کے جغرافیائی خطوں کی زبان نہیں لیکن پھر بھی اسے سیکنڈ لینگویج کے طور پر اپنا لیا گیا ہے۔ ان کا یہ موقف درست کہ اردو کو سیکنڈ لینگویج کے طور پر اپنا لیا گیا ہے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

لیکن اردو کی اہمیت سے انکار نہیں۔ درج ذیل اقتباس اس امر کی گواہی دے گا:

> عمومی رابطے کی زبان ہونے کی حیثیت سے اردو کی حیثیت مسلم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مراعات یافتہ طبقات اب یہی مقام انگریزی کو دے چکے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ معیاری اور درست زبان بولنا ہر پڑھے لکھے اور باشعور پاکستانی کا مطمحِ نظر معلوم ہوتا ہے۔(۲۶)

ان مباحث کے ساتھ ہی یقینی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر معیاری زبان ہے کون سی؟ یا زبان بولنے اور لکھنے کا معیار کیا ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں بھی ڈاکٹر اسلم انصاری کے ہاں ہمیں ایک واضح اور قطعی نوعیت کا مؤقف ملتا ہے:

> معیاری زبان ہے کون سی؟ اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں، پھر بھی جواب یہ ہے جو گرامر کے قواعد کی رُو سے درست ہو اور تلفظ کے اعتبار سے قابلِ قبول تلفظ (Received pronunciation) کی حامل ہو یعنی ایک اوسط درجے کے معقول آدمی کے لیے قابلِ فہم ہو۔(۲۷)

زبان، اردو زبان اور اس کے بے نیازی سے استعمال کے متعلق اس طویل مکتوب میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے چند تاریخی اور سماجی معلومات بھی بہم پہنچائی ہیں کہ جس سے ان کا مشاہدہ اور مطالعہ واضح ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

> موجودہ ملکہ برطانیہ الزبتھ دوم ۱۹۵۰ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں تخت نشین ہوئی تھیں۔ اُن کی تخت نشینی سے پہلے شاہی خاندان کے افراد کی انگریزی کو King's English یعنی بادشاہ کی انگریزی کہا جاتا تھا (یہ اس طرح ہے جیسے برِصغیر پاک و ہند میں دہلی کے لال قلعے کی زبان کو "قلعۂ معلیٰ" کی زبان کہا جاتا تھا) لیکن ملکہ برطانیہ کی تخت نشینی کے بعد اب یہ زبان Queen's English کہلانے لگی۔ تخت نشینی سے لے کر غالباً اب تک ملکہ موصوفہ کا دستور رہا ہے کہ وہ ہر سال کرسمس کے موقع پر کامن ویلتھ کے سامعین کے لیے ایک تقریر نشر کرتی ہیں۔ چند سال قبل انگریزی اخبار میں خبر شایع ہوئی کہ کوئی صاحب گزشتہ پچاس سال سے ملکہ کی تقاریر ریکارڈ کر رہے ہیں۔ اُن صاحب کا کہنا تھا کہ ملکہ اپنی Queen's English بھول چکی ہیں اور اب ان کی زبان عام آدمی کی زبان بن

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

چکی ہے۔ اس کو کہتے ہیں رفتارِ زمانہ۔(۲۸)

زبان اور اس کی ماہیئت کے علاوہ ڈاکٹر اسلم انصاری نے اخباری زبان کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے اور اس خط کو گزشتہ سطور میں مذکورہ خط کا تکملہ کہا ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے جہاں اخباری اردو کے بارے میں اپنے مکاتیب میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ وہیں کالم نگاروں کی اردو اور ٹی وی چینلز پر بولی جانے والی زبان کی انحطاطی روش پر بھی مفصل لکھا ہے کہ صحافتی اور ابلاغی زبان کیوں کر انحطاط کا شکار ہوئی ہے:

> صحافتی اور ابلاغی زبان میں جو انحطاط پیدا ہوا ہے وہ بہت مایوس کن ہے بالخصوص بعض بڑے اخبارات کے کالم نگاروں نے زبان و بیان کے قواعد سے جس طرح روگردانی کو روا رکھا ہوا ہے۔ حیران ہوں کہ اس کو کیا نام دیا جائے... میں سمجھتا ہوں کہ رموزِ اوقاف پر ضرورت سے زیادہ زور دینا ایک طرح کی بے جا سختی ہے۔ لیکن رموزِ اوقاف کے بغیر تحریر الفاظ کے بے ترتیب انبار کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ ایک انگریز زبان دان نے ایک بار لکھا تھا کہ رموزِ اوقاف کے بغیر کوئی عبارت ایسے ہوتی ہے جیسے کوئی مقرر اسٹیج پر گونگے اشارے کر رہا ہو۔(۲۹)

صرف خیالات کا اظہار کر دینا قدرے آسان امر ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسلم انصاری ان خیالات کے اظہار کے ساتھ ساتھ پس منظری مطالعے اور جہات کو بھی پیش کرتے ہیں۔ تحریر میں رموز و اوقاف کی صرف اہمیت ہی کی بات نہیں بلکہ مشکلات کا تذکرہ بھی کیا ہے:

> رموزِ اوقاف کی بعض مشکلات ایسی ہیں کہ جن پر انگریز زبان دان بھی سر پکڑ کر رہ جاتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا مسئلہ ''نقلِ قول'' کے لیے واوین (Inverted Commas) کے استعمال کا مسئلہ ہے... واوین کو انگریز زبان دان جی ایچ والن (G.H.Vallin) نے سب سے زیادہ تکلیف دہ (Troubles One) قرار دیا ہے۔ اصل مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب نقلِ قول میں ایک اور نقلِ قول بھی شامل ہو اور دونوں ایک ہی وقت میں ختم ہو رہے ہیں۔ تو واوین کس طرح استعمال کیا جائے۔(۳۰)

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

کسی بھی تحریر کا عنوان اس کا چہرہ ہوتا ہے اور افسانوی ادب میں تو خاص طور پر ایسا ہے کہ عنوان اپنے موضوع کے ساتھ خصوصی ربط رکھتا ہے، اگر یہ ربط نہ ہو تو ابہام کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ زبان اور اس کے مباحث سے دل چسپی کا مظہر ایک وہ عنصر ہے کہ جہاں وہ افسانوں کے عنوانات کو بھی بہت گہرائی سے دیکھتے ہیں اور ان کی معنویت پر غور کرتے ہیں۔ منٹو کے دو افسانوں کرداروں "بابو گوپی ناتھ" اور "لاجونتی" کو افسانے کے عنوانات کے طور پر غائر مطالعہ کرتے ہوئے اپنی رائے یوں پیش کی ہے:

> بابو گوپی ناتھ کو منٹو نے امر کیا ہے۔ خود گوپی ناتھ کے نام میں بھی ایک معنوی رعایت موجود ہے۔ ممکن ہے منٹو نے شعوری طور پر یہ نام تجویز کیا ہو۔ گوپی سے مراد گوالن ہے اور کرشن جی مہاراج کا ورندابن میں گوپیوں کے ساتھ راس رچانا اساطیری طور پر معروف ہے، ناتھ کا مطلب ہے مالک، سردار یا سرپرست۔ اس اعتبار سے "گوپی ناتھ" کرشن جی مہاراج کا لقب ہے۔ چناں چہ بابو گوپی ناتھ اپنے نام کی معنویت کے ساتھ بھی انصاف کرتا ہے۔ (اس معنوی رعایت کی طرف اب تک کسی نقاد نے اشارہ نہیں کیا، خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے) لاجونتی کے نام میں جو ڈرامائی Irony ہے وہ بھی غور طلب ہے۔ لاجونتی کے لغوی معنی ہیں شرم وحیا والی۔ اب لاجونتی کی لاج کے ساتھ جو سلوک ہوا، وہ افسانے کی تفصیلات سے ظاہر ہے۔ (۳۱)

زبان کی صرف لغت، گرامر اور ساخت ہی کی بات نہیں بلکہ خط نسخ اور نستعلیق کی جمالیات کے حوالے سے بھی مباحث مل جاتے ہیں نستعلیق کی انفرادیت پر بھی مفصل خیالات ان خطوط میں مل جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کے نام خط میں اردو کے رسم الخط کے بارے میں ان کے خیالات مفصل صورت میں موجود ہیں، نیز اس سے ان کی جمالیاتی حس کا بھی پتا چلتا ہے:

> جہاں تک ایران کے ذوقِ طباعت کا معاملہ ہے وہ ایک عرصے سے نسخ کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ نستعلیق صرف آرائشی عنوانات کے لیے استعمال ہوتا ہے... البتہ مہر نستعلیق میرے ذوق کی تسکین کا باعث ہوا ہے۔ اس لیے اگر کلیات کے لیے یہی خط اختیار کیا جائے تو بہتر ہوگا، اس لیے بھی کہ یہ ہمارے نستعلیق کے قریب ہے۔ (۳۲)

چند خطوط میں اِکّا دُکّا مثالیں ایسے فقروں کی مل جاتی ہیں جس سے ان کی جمال پسندی واضح ہوتی ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ان عکوس نے مجھے نفسیاتی اور جمالیاتی اعتبار سے بہت محظوظ کیا۔(۳۳)

ابھی ابھی میں نے آپ کے دستخط پر ذرا غور کیا تو مجھے اس میں کسی تصویر کی سی خوب صورتی دکھائی دی۔(۳۴)

لسانیات اور علمِ لسانیات سے متعلق شخصیات یقیناً ان کے زیرِ مطالعہ رہی ہیں۔ اس کا اظہار مفصّل یا مختصر مختلف مکاتیب میں مل جاتا ہے۔ ایک طویل خط سے چند ایک فقرے شامل کیے جا رہے ہیں:

ابتدائی ماہرین لسانیات میں میرے نزدیک سب سے بڑا نام مولانا محمد حسین آزاد کا ہے، جن کی کتاب ''سخن دانِ فارس'' بڑی حد تک علمی بنیادوں پر استوار ہے۔ زبان کی تعریفات کے علاوہ اس میں تقابلی لسانیات کا بہت اہم مواد موجود ہے جس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ قدیم فارس اور سنسکرت کے اشتراکات پر ان سے اچھی بحث ابھی تک وجود میں نہیں آئی۔(۳۵)

اس خط میں ان کی ناقدانہ خصوصیات بھی موجود ہیں اس سے پہلے کے خطوط میں تعریف و تحسین اور اخلاقیات وغیرہ چیزیں ملتی ہیں جب کہ اس خط میں لگی لپٹی کیے بغیر تنقید کر دی ہے۔ لیکن تہذیب و شائستگی (جو ان کی شخصیت کا خاصہ ہے) کا دامن بہ ہر حال ہاتھ سے نہیں چھوٹا:

تمہیدی مباحث میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ... ''نتیجہ یہ نکلا کہ اردو زبان سے متعلق محض قیاس آرائی پر مبنی نظریات سامنے آنے لگے...'' میری ناچیز رائے میں ایسا نہیں ہے... علامہ سید سلیمان ندوی کی بھی ایک رائے ہے جس کا ذکر آپ کے مضمون میں نہیں ہو سکا، خیر اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کی تحسین ناگزیر ہے۔(۳۶)

اقبال اور تصورات اقبال ڈاکٹر اسلم انصاری کے خاص مطالعات کا حصہ ہیں، انھوں نے شعر و فکر اقبال، مطالعات اقبال اور اقبال عہد ساز شاعر اور مفکر کے علاوہ کئی تحقیقی و تنقیدی مضامین اقبالیات کی دنیا کی نذر کیے۔ اقبال کا تصور تاریخ ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت کم لکھا گیا۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے اس موضوع پر مفصل لکھا۔ راقمہ کے ایک استفسار کے جواب میں ایک مکتوب میں انھوں نے مکمل تفصیلات سے آگاہ کیا۔ سوال تھا کہ کیا اقبال سے پہلے بھی کسی شاعر کے ہاں تاریخ سے وابستگی کا نشان ملتا ہے؟ اس ضمن میں موصول کردہ جواب یوں ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

صرف نشان ہی نہیں نشانات ملتے ہیں۔ لیکن اپنے اپنے انداز میں۔ مثلاً میر کے ہاں ہم عصر زندگی کا بہ راہِ راست بیان بھی ایک طرح سے ان کے تاریخی شعور کی ترجمانی ہے۔ اگرچہ بہ راہ راست بیان کی صورتی زیادہ نہیں۔ مثلاً ان کا ایک مشہور شعر جو ان کے سماجی شعور پر دال ہے:

چور اُچکّے، سکھ مرہٹے، شاہ و گدا سب خواہاں ہیں
چین سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے، فقر بھی اک دولت ہے یاں

... مرزا رفیع سودا کے تاریخی شعور میں خاصی وسعت ہے جو ان کی شہر آشوب نظموں میں ظاہر ہوا ہے۔ اس موضوع پر ان کی تین طویل منظومات اردو شاعری کا سرمایہ افتخار ہیں۔ یعنی: ا۔ قصیدۂ شہر آشوب ۲۔ مخمس اور قصیدہ در تضحیک روزگار سودا کی قدرت بیان اور فکری استحکام کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ (۳۷)

انصاری صاحب نے میر کی خرابہ نگاری اور حس تاریخی پر بھی لکھا ہے، یہ تحریر ان کی کتاب جسے میر کہتے ہیں صاحبو! میں شامل ہے۔ ان کے نزدیک جو شاعر سب سے زیادہ تاریخی شعور سے بہرہ مند ثابت ہوا وہ اقبال ہی تھا۔ اقبال اپنے عہد کی سیاسی اور معاشرتی صورت حال سے جس طرح نبرد آزما رہے وہ انھیں کا حصہ تھا۔ ماضی کے بڑے اور عہد ساز شعرا کے ہاں تاریخی شعور بالواسطہ یا بلاواسطہ ضرور نمودار ہوا ہے۔ اقبال کے نظریہ تاریخ پر اسلم انصاری کا مضمون ''اقبال کا نظریۂ تاریخ'' ان کے اقبالیاتی مضامین پر مبنی مجموعے ''اقبال: عہد ساز شاعر اور مفکر'' میں موجود ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

اقبال کے ہاں تاریخ اپنے عمومی مفہوم کے ساتھ زیادہ نمودار ہوئی ہے... یہاں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اقبال تاریخ کے عمل کی تفہیم میں کوشاں رہے۔ اس لیے کہ خود تاریخ کے ساتھ وابستہ رہے... اقبال کا تعلق پوری انسانی تاریخ سے ہے... میرے خیال میں ان کا مطالعہ تاریخ یا مطالعہ فکر انسانی، ان سب کا ماحصل یہ تھا کہ وہ کوئی ایسی کلید تلاش کرنا چاہتے تھے جس کے ذریعے وہ برصغیر کے مسلمانوں اور مسلمانانِ عالم کی تقدیر کو بدل سکیں۔ (۳۸)

انھوں نے اقبال کے تصور تاریخ اور تصور زمان میں بھی ایک تعلق دریافت کیا اور اس پر بہ تفصیل اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ راقمہ کی طرف سے ایک سوال اقبال کے تصور تاریخ اور تصور زمان میں کیا تعلق ہے؟ کا مفصل جواب ذیل

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

میں درج کیا جاتا ہے:

> اقبال ہمارے واحد شاعر ہیں جنھوں نے تاریخ کی ماہیت کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے رموز بے خودی میں اپنا تصور تاریخ واضح طور پر پیش کیا ہے۔ اس تصور تاریخ کا پہلا جزو تو یہ ہے کہ تاریخ اقوام کے اجتماعی حافظے کے مترادف ہے۔ جس طرح کوئی فرد حافظے کے بغیر اپنے تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتا اسی طرح اقوام بھی تاریخی شعور کے بغیر اپنا تشخص برقرار نہیں رکھ سکتیں۔ دوسرا جزو اخلاقی مفہوم کا حامل ہے اس میں اقبال نے گویا اپنی قوم، اپنی ملت (ملّتِ اسلامیہ) سے کہا ہے کہ وہ تاریخ سے اس طرح استفادہ کرے کہ اس سے اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکے... تاریخ بہت حد تک علت و معلول کے تصور پر انحصار کرتی ہے۔ لیکن اسی علت و معلول کے کڑے پن سے جبریت بھی پیدا ہوتی ہے۔(۳۹)

یوں کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر اسلم انصاری کے ہاں نظریات و افکار کی تکرار ان کے نظریات کی توثیق کا باعث بنی ہے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں بہت سے خیالات کی وضاحت کر دی ہے، شخصیات اور مطالعات ان کے مکتوبات کا حصہ ہیں اس کے علاوہ ان کے مکاتیب میں اردو زبان کے استعمال، تحقیق لفظی، میڈیا اور اخبار میں زبان کے استعمال پر بھی مفصل مباحث مل جاتے ہیں۔ ان مکاتیب کی ایک خصوصیت سادہ، سہل، قابلِ فہم اور شستہ اسلوب بھی ہے، ڈاکٹر اسلم انصاری کے ہاں موضوعات کا تنوع ہے جو ان کے مکاتیب کا بھی حصہ ہے۔ موضوعات کے اسی تنوع نے ان کے مکاتیب اور تنقیدی نثر میں ایک رنگارنگ کیفیت کو جنم دیا ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر اسلم انصاری بنام شاہد علی خان، (مدیر) 'الحمرا' بتاریخ ۲۵/ جنوری ۲۰۱۹ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم انصاری

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۲۹/ جولائی ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم انصاری

۴۔ ایضاً، بتاریخ ۲۳/ جولائی ۲۰۱۸ء مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، مرتبہ حفیظ الرحمٰن احسن، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۴۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۴۳

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

۶۔ ایضاً بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۸ نومبر ۲۰۱۸ء مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، ص ۱۴۷
۷۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔۱۴۷
۸۔ ایضاً بنام شاہد علی خان (مدیر 'الحمرا') بتاریخ ۲۵/ جنوری ۲۰۱۹ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم انصاری
۹۔ ایضاً، ''نقش عہدِ وصال کا''، (ملتان: کتاب نگر، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۷
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ ایضاً بنام ڈاکٹر انیلا سلیم، بتاریخ ۱۵/ اگست ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر انیلا سلیم
۱۲۔ ایضاً، بتاریخ ۱۴/ اگست ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر انیلا سلیم
۱۳۔ ایضاً، ''مکالمات''، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۱۲
۱۴۔ ایضاً، ''تفہیم بیدل: مراحل و مقامات''، مشمولہ ''میناخانۂ حیرت (مطالعاتِ بیدل)''، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۹ء)، ص ۳۲
۱۵۔ ایضاً بنام شوکت محمود، بتاریخ ۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۸ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم انصاری
۱۶۔ ایضاً
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ایضاً بنام ڈاکٹر انیلا سلیم، بتاریخ ۱۵/ اگست ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر انیلا سلیم
۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ ایضاً، بنام مبین مرزا (مدیر ''مکالمہ'') مشمولہ ''مکالمہ''، شمارہ نمبر ۴۲، نومبر ۲۰۱۸ء، اکادمی بازیافت، کراچی، ص ۱۴۰۔۱۴۱
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ ڈاکٹر اسلم انصاری بنام شوکت محمود صاحب، بتاریخ ۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۸ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم نصاری
۲۳۔ ایضاً بنام غازی علم الدین، بتاریخ ۸/ جولائی ۲۰۱۸ء، مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، ص ۱۳۷
۲۴۔ ایضاً
۲۵۔ ایضاً
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ ایضاً
۲۹۔ ایضاً بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۱۴/ جولائی ۲۰۱۸ء، مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، ص ۱۳۹
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ ایضاً، بنام مبین مرزا (مدیر ''مکالمہ'') مشمولہ ''مکالمہ''، شمارہ نمبر ۴۲، ص ۱۴۰۔۱۴۱
۳۲۔ ایضاً بنام ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، بتاریخ ۱۵/ جنوری ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم نصاری
۳۳۔ ایضاً بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۱۵/ فروری ۲۰۱۷ء، مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، ص ۱۳۴، ۱۳۵
۳۴۔ ایضاً، بتاریخ ۲۶ جولائی ۲۰۱۶ء، ایضاً، ص ۱۳۳، ۱۳۴
۳۵۔ مایضاً، بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۲/ ستمبر ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم نصاری
۳۶۔ ایضاً

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۷۔ ایضاً بنام ڈاکٹر انیلا سلیم، بتاریخ ۱۵/ اگست، ۲۰۲۲، مملوکہ ڈاکٹر انیلا سلیم
۳۸۔ ایضاً، ''اقبال: عہد ساز شاعر اور مفکر''، (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء)، ص ۳۳، بارروم
۳۹۔ ایضاً بنام ڈاکٹر انیلا سلیم، بتاریخ ۱۵/ اگست ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر انیلا سلیم

مآخذ

۱۔ انصاری، اسلم، ڈاکٹر، بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۲۳/ جولائی ۲۰۱۸ء مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، مرتبہ حفیظ الرحمٰن احسن، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۹ء
۲۔ ـــــــ بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۸ نومبر ۲۰۱۸ء مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، ـــــــ
۳۔ ـــــــ، ''نقش عہدِ وصال کا''، ملتان: کتاب نگر، ۲۰۰۹ء
۴۔ ـــــــ، ''مکالمات''، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۶ء
۵۔ ـــــــ، ''تفہیم بیدل: مراحل و مقامات''، مشمولہ ''بیناخانۂ حیرت (مطالعاتِ بیدل)''، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۹ء
۶۔ ـــــــ بنام غازی علم الدین، بتاریخ ۸/ جولائی ۲۰۱۸ء، مشمولہ ''مشاہیر ادب کے خطوط بنام غازی علم الدین''، محولہ بالا
۷۔ ـــــــ بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۱۴/ جولائی ۲۰۱۸ء، ـــــــ
۸۔ ـــــــ بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۱۵/ فروری ۲۰۱۷ء، ـــــــ
۹۔ ـــــــ، بتاریخ ۲۶ جولائی ۲۰۱۶ء، ـــــــ
۱۰۔ ـــــــ، ''اقبال: عہد ساز شاعر اور مفکر''، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، بار دوم

رسائل و جرائد

۱۔ ''مکالمہ''، شمارہ نمبر ۴۲، نومبر ۲۰۱۸ء

غیر مطبوعہ

۱۔ مکتوب بنام شاہد علی خان، (مدیر 'الحمرا') بتاریخ ۲۵/ جنوری ۲۰۱۹ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم انصاری
۲۔ ـــــــ بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۲۹/ جولائی ۲۰۲۲ء، ـــــــ
۳۔ ـــــــ بنام ڈاکٹر انیلا سلیم، بتاریخ ۱۵/ اگست ۲۰۲۲ء، مملوکہ ڈاکٹر انیلا سلیم
۴۔ ـــــــ، ـــــــ، بتاریخ ۱۴/ اگست ۲۰۲۲ء، ـــــــ
۵۔ ـــــــ بنام شوکت محمود، بتاریخ ۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۸ء، مملوکہ ڈاکٹر اسلم انصاری
۶۔ ـــــــ بنام ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، بتاریخ ۱۵/ جنوری ۲۰۲۲ء، ـــــــ
۷۔ ـــــــ بنام پروفیسر غازی علم الدین، بتاریخ ۲/ ستمبر ۲۰۲۲ء، ـــــــ